کمینگی کیا ہے؟
What is meanness?
مؤلف
الحاج قاری محمد ارشاد علی
مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)
Made with PosterMyWall.com

تفصیلات طباعت

نام کتاب	کمینگی کیا ہے
مؤلف	الحاج قاری محمد ارشاد علی
صفحات	۳۰
اشاعت	آگسٹ ۲۰۱۱
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

http://archive.org/details/@islahi_tohfa

تنبیہ

ترتیب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

کمینگی کیا ہے

کمینگی کی وضاحت کیلئے لغت میں کئی مترادف (synonym)الفاظ ہیں، جیسے اُوچھاپن (meanness)، چھچھوراپن (show off)، سِفلہ پن (Baseness) کم ظرفی (want of ability) ، سُوقیانہ پن یا گھٹیاپن وغیرہ۔ اسکی ضد خوش خِصالی (mannerly)، اعلیٰ ظَرفی، مخلصانہ برتاؤ (sincere behavior) وغیرہ ہیں ۔مؤمن کمینہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اللہ کا محبوب بندہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو۔ مؤمن سے غلطی ہو سکتی ہے جس پر مؤمن شرمندہ ہو جاتا ہے لیکن کمینہ اپنے کیئے پر شرمندہ نہیں ہوتا۔ مؤمن غلطی پر توبہ کرتا ہے لیکن کمینہ توبہ نہیں کرتا۔ توبہ کرنے میں وہ ہلکا پن محسوس کرتا ہے۔ کمینے شخص کی وجہ سے جس قدر تکلیف لوگوں کو پہنچتی ہے اُسی قدر اِسکو اِس میں خوشی محسوس ہوتی ہے گویا کمینگی اور بداخلاقی ایک ہی بات ہے۔ کمینہ کسی سے اپنے تعلقات کے بگڑ جانے پر بے تعلق ہو کر سکون سے نہیں رہتا بلکہ اُس پر جھوٹے الزام لگانا، اُسکے خلاف سازشیں کرنا، اُسکو بے عزت کرنا اور اُسکی طرف سے لوگوں کو آخری حد تک بدظن اور بدگمان کر دینا، اُسکے فائدے کو نقصان سے بدل دینا، اُسکی شہرت ، اُسکی خوبیوں اور اُسکی اچھی صلاحیتوں کو عیبوں میں بدل

دینا، اِن سب باتوں کیلئے دوڑ دھوپ کرنا اور اپنی ساری تخریبی کاروائیوں کو اپنے حریف (opponent) سے پوشیدہ رکھنا یہ کمینے کے مصروفیات ہیں۔

کمینہ شخص اپنے حلقے کے لوگوں سے اخلاق سے پیش آتا ہے
اور حلقے کے باہر کے لوگوں سے حسد، انتقامی جذبہ اور کینہ کپٹ سے پیش آتا ہے۔
ایسا آدمی خدا سے دور اور شیطان کے نزدیک ہوتا ہے۔ یہ انسانوں میں سب سے بدتر انسان ہوتا ہے۔

حدیث : خَیرُ النَّاسِ مَنۡ نَّفَعَ النَّاسَ (بہتر انسان تم میں وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے)

کمینگی اور اسلامی تقاضے دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بدزبانی، زبان درازی، گمراہی، کَج رَوی (راہ راست سے انحرف)، نِفاق شماری (منافقت)، ضلالت انگیزی (Misleading)، فتنہ پروری، نُکتہ چینی، خُردَہ گیری (criticism)، کذب بیانی (جھوٹ)، چرب زبانی (چاپلوسی)، اپنی مفاخرت (تکبّر) کا بیان، باطل کی حمایت، حق و صداقت کو دبانا، کمزوروں اور شریفوں کو ستانا، اِسی طرح تمام خلاف انسانیت، خلاف عقل اور خلاف تہذیب اعمال کو اپنے روز و شب کا مشغلہ بنانا، طاقت، دولت، اثرات (Affectations)، حکومت اور اقتدار، زور قلم، زور عقل اور زور زبان یہ سب ایک کمینہ شخص کیلئے ذرائع ہیں انتقامات کیلئے۔

کمینہ کے مقابل جو حریف لوگ ہوتے ہیں یا کمینہ جن لوگوں کی دل آزاری کرتا ہے وہ اسلام پسند، اخلاق پسند، مُہذّب، کم سُخن (reserved person) اور کم

آمیز (Less socialize) مزاج کے لوگ ہوتے ہیں چنانچہ اُنکی مؤمنانہ صفات سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

کمینہ اِس غلط فہمی میں بھی رہتا ہے کہ لوگ اُسکے داؤ پیچ (tactics) اور پوشیدہ تخریبی کاروائیوں سے ناواقف ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ ایک مرحلہ پر اُسکی کمینگی سے سب واقف ہو جاتے ہیں لیکن چشم پوشی اور اعراض سے کام لیتے ہیں۔

کمینے شخص کا کمینہ پن مسجد کے تقدس کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ مسلکی اختلافات (خصوصاً دیوبندی اور بریلوی) کی بھڑاس نکالنے کا موقع کمینوں کو مسجد ہی میں ملتا ہے، کہ وہاں ہمہ مسلک لوگ نماز باجماعت کی خاطر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کمینوں کے پیچھے ان کے قائد ہوتے ہیں جو انکی پیٹھ ٹھوکتے ہیں اور اُن کو آگے کر کے دور سے دوسروں کی تکلیف سے جو اِن کمینوں کی طرف سے پہنچتی محفوظ ہوتے ہیں۔ مُصلیان مسجد کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ وہ جوابی کاروائی کر کے مسجد کو دنگل میں نہیں تبدیل کرتے بلکہ صبر اور تحمل سے کام لیتے ہیں اور اپنی اعلی ظرفی کیوجہ سے اِن کمینوں سے مرَارَات (Treated with bitterness) سے پیش آتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں کہ ممکنے سے نجات پانے کے لئے جلدی سے مسجد کے باہر چلے جائیں تاکہ اِس خباثت غالب ماحول اور دین دار بیزار ماحول سے نجات پا سکیں۔

کمینہ نادان نہیں ہوتا کسی قدر ہوشیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہوشیاری کا غلط استعمال، مکاری، مُخبری، چغلخوری، غیبت، اشتعال انگیزی (Provocation) اور لفّاظی کی صورت میں کرتا ہے۔ کمینہ نفسیاتی طور پر ڈرپوک ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر اُسکے

کَرتُوت اور اُسکی فطری کَج رَوی، اس کو ڈرپوک اور بزدل بنا دیتی ہے وہ کسی سہارے کے بغیر اپنا کمینہ پن جاری نہیں رکہ سکتا چنانچہ اپنی پشت پناہی (Backing up) کیلئے مقامی مذہبی نما، سیاسی لیڈروں ، اقتدار رکھنے والے لوگوں اور دادا نما مسمانوں کے درمیاں اپنا مقام بنا کے رکھتا ہے تاکہ وقت ضرورت انکو استعمال کرسکے۔اِس کی خاطر اُن کی جھوٹی تعریفیں اور اُن کے مخالف مزاج لوگوں کی مُخبری کرتے ہوئے اُن سے یہ تَیَقّن (یقین) حاصل کرلیتا ہے کہ وہ لوگ زبان حال سے یہ تَیَقّن دلاتے ہیں کہ آڑے وقتوں میں ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ اِس تَیَقّن کو تازہ اور برقرار رکھنے کی خاطر کمینہ اپنی پلکوں سے اُن لوگوں کے تلوے سہلاتا ہے۔ کبھی اُن کے جوتے اٹھاکر سر پر رکھ لیتا ہے پھر اُسکو ایک طاقت حاصل ہو جاتی ہے جسطرح لومڑی کو شیر کی طاقت اُسی وقت حاصل ہو جاتی ہے جب شیر کی حمایت اُسکو حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال فسادیوں کو ایسے مذہب نما مسلمانوں سے طاقت مل جاتی ہے تو کمینہ مسلکی اختلاف کی بھڑاس نکالنے کیلئے مسجد کا رُخ کرتا ہے۔

کمینہ کی بود و باش (رہنے سہنے کا عمل) اور اُسکے کاروبار چمکنے کے مقامات اور اُسکی تخریبی ذہنیت کی تربیت، بازاروں میں، کارخانوں میں، ٹریڈیونینوں Trade Union میں، چائے خانے میں ہوتی ہے، ایسے مقامات کا تربیت یافتہ کمینہ ہوتا ہے اُسکی زندگی بےرُخی کی زندگی ہوتی ہے۔اُسکو اپنے اعمالِ بد کا احساس نہیں ہوتا، وہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا۔ شراب کو شربت سمجھ کر پیتا ہے اور فساد کو صلاح سمجھ کر کرتا رہے۔ تو توبہ کس بات کی کریگا ؟۔ اِس طرح عمر عزیز کا ایک بڑا حصّہ ، معاشی

ضروریات کی بناء پر ایسے مقامات پر ایسے کاموں میں اور ایسے بازاری لوگوں میں گزر جاتا ہے تو بڑھاپے میں وہ مسجد کا رُخ کرتا ہے۔ یہاں پر اُس کا منشاء عبادت نہیں ہوتا بلکہ مسجد کے انتظامی اُمور میں حصّہ لیکر اپنے بازاری کَرتَب دکھانا ہوتا ہے چنانچہ ضعیفی میں بھی ایسے مقدس مقام پر کمینہ پن نہیں چھوڑتا، کہ جسطرح بندر اگر ضعیف بھی ہو جاتا ہے تو کلابازیاں (Performance) اور منہ چڑھانا نہیں چھوڑتا؟

جو عادت ہو گئی پکی تو اُس کا چھوٹنا مشکل

اب مسجدوں کا جو حال ہے اور مصلیوں کی جو دینی استعداد، دینی بیداری اور آپسی اختلافات کی جو حالت ہے اُسکی تفصیل کیلئے کاغذ اور قلم دونوں متحمل نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام وہ نہیں رہا جو پہلے تھا بلکہ رسومات، تقاریب اور روایات کا ایک سانچہ ہو گیا ہے بس اِس میں ڈھلنے کیلئے لوگوں کا ہجوم ہے۔

نفسِ انسان کی خباثت، سرکشی اور کمینگی ۷۰ شیاطین کی خباثت سے زیادہ ہے۔ ابلیس کو کسی دوسرے ابلیس نے نہیں بہکایا بلکہ اسکے نفس خبیث نے اُس کو کِبر اور حسد میں مبتلا کیا پھر آدم کو بھٹکانے میں نفس آدم کے ساتھ ابلیس بھی شریک رہا۔ اب یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہیگا۔

آج کا مؤمن اپنے نفس کی اصلاح کی طرف سے مطمئن ہو گیا یا پھر خود کو مُزکّیٰ (purified) سمجھ گیا۔ حالانکہ نفس کے تزکیہ کا حکم ہے اِسی وجہ سے نفس سے خوش گمان نہ رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ نفس کی چاہت خدا سے دور کر دیتی ہے۔ نفس سے بدگمان رہنا ضروری ہے۔ اگر آج ہم کسی سے پوچھے کہ بھائی تمھارے

اسلاف تو اسلام میں پوری طریقہ سے داخل ہونیکے لئے اپنے نفوس سے جہاد (جہاد اکبر) کئے اور اسلام کی سر بلندی کی خاطر دشمنان اسلام سے جہاد (جہاد اصغر) کئے اب آپ کون سا جہاد کر رہے ہیں۔ جواب میں سوائے سُکوت اور شرمندگی کے کچھ نہیں ملتا۔ وہ اِس لئے کہ نفوس غیر مُزکّیٰ کیفیت میں ہیں اور اسلام پستی اور زوال کی طرف رواں ہے۔ روحانی امراض عام ہوگئے۔ خباثت عام ہو گئی ہے۔ ایسی فضاء ایک کمینہ شخص کیلئے سازگار ماحول پیدا کرتی ہے۔

جو رات میں لُٹے نہ تھے وہ دوپہر میں لُٹ گئے۔

بہرحال کمینہ، مسجد کی انتظامیہ میں مقام بنالیتا ہے اور حسبِ عادت یہاں بھی اپنی عاقبت برباد کرلیتا ہے۔ ایک نمازی کو دوسرے نمازی سے جُدا کرتا ہے۔ تفرّقہ اور نفرت ایک دوسرے کے درمیان بونے کے انداز اسکے مُختلف ہوتے ہیں۔ کسی مصلی کے کان بھر دیا کہ دیکھو اُن سے بچکے رہو کہ اُن کا تعلق اُس جماعت سے ہے جو بستر لیکر پھرتی ہے۔ دیکھو اُن سے بچے رہو کہ اُن کا تعلق سیاسی جماعت سے ہے۔ پولیس اسٹیشن کے چکر لگانا ہے تو اُن سے قریب ہو جاؤ۔ دیکھو یہ صاحب کا تعلق تو کسی جماعت سے نہیں ہے البتہ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنکے بارے میں مثل مشہور ہے کہ "مرگیا مردود فاتحہ نہ درود"۔ دیکھو یہ صاحب جو مسجد سے باہر نکل رہے ہیں جو اپنے کو عالم کہتے ہیں اگر بزرگان دین کی لتاڑ (Barking at) چاہتے ہیں تو اُن سے دوستی کرو۔ دیکھوں وہ صاحب جو سامنے سے آرہے ہیں اُنکی عمر شراب خانے میں گزری اب ضعیفی میں مسجد کا رُخ' اپنے گناہ دھونے کی فکر لگ گئی ہے۔

اسکی سننا اُسے لگا دینا، کام اپنا ہے بس لڑا دنیا
وعظ سننا تمام رات مگر، دن نکلتے ہی سب بھلا دینا

بہر حال ہر کسی کی بُرائی کرنا، ہر ایک کو دوسرے سے جُدا کرنا اور اپنے مسلک کی بقاء کی خاطر ہر ایک کو سب سے توڑ لینا اور اپنے بارے میں اُن سب کا یہ گمان بنا کے رکھنا کہ سبکی خیر خواہی کا چاہنے والا بس یہی ایک شخص ہے۔ کمینہ کانوں میں زہر بھرنے کے فن سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔

اب اسلام کا محافظ وہ ہو گیا جو اسلام کو برباد کر رہا ہے اور اسلام کا وارث وہ ہو گیا جو اسلام کے مقصد سے بے خبر ہے۔

کسے خبر تھی کہ لیکر چراغ مصطفائی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

ہے خوف خدا دل میں نہ تو غیرتِ ایمان
ہم کیسے مسلمان ہیں ہم کیسے مسلمان

چنانچہ مساجد میں ضرور کچھ نہ کچھ باشعور لوگ ہوتے ہیں وہ کمینوں کی حرکتوں سے بیزار ہو کر زبان حال سے یہ کہتے ہیں۔

موت کا زہر ہے فضاؤں میں
اب کہاں جا کے سانس لی جائے ؟

رمضان کے دن ہیں ظُہر کی نماز کا وقت ہے لوگ فرض نماز کے انتظار میں پہلی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مذکورہ صفات رذیلہ (برائی) سے متصف ایک صاحب مسجد کے اندر اگربتی سُلگادی، لوگ روزے سے ہیں اور اگربتی کا دھواں فاسد صوم ہے۔ دینی علم دوری کا یہ عالم ہے کہ بہت کم لوگ اِس مسئلہ سے واقف ہیں۔ اب جو ایک دو واقفہ ہیں وہ مذکورہ صفات کے حامل موصوف سے خوف زدہ ہیں کیونکہ وہ پھکڑ پن اور ہٹ دھرمی میں مشہور ہیں اور اُن سے ایسے بِد کے ہوئے ہیں جیسے بکری کے بچے بھیڑیے سے بدکتے ہیں۔ اتفاقاً موصوف راقم الحروف سے قریب ہی تھے سرگوشی (سر کو کان کے پاس لے جاکر کچھ کہنا) کے انداز میں اُن کو مسئلہ سے واقف کرایا تو جواباً اونچی آواز میں طَنزاً (طنز کے ساتھ) کہنے لگے کہ کیا آپکو خوشبو سے نفرت ہے۔ اُس ردعمل کے پیچھے دراصل مسلکی اختلاف کا غصّہ اور نفرت کام کر رہا تھا۔ میں نے دوبارہ توجہ دلایا کہ یہ دھواں فاسد صوم ہے۔ بڑی مشکل سے بادِل ناخواستہ موصوف نے اگربتی کو بجھا دیا۔ کمینہ، مسلکی اختلاف کو بنیاد بناکر یہ حق بات کو بھی سنا نہیں چاہتا۔ ہر مسجد کا یہی حال ہے کہ لوگ اپنے مسلک کی بقاء کی خاطر حق بات کو جبکہ وہ مسلکہ مخالف شخص کی طرف سے سامنے آتی ہے رد کر دیتے ہیں۔ کہیں اپنے وقار کا مسئلہ بن جا رہا ہے کہیں غلطی کے اعتراف میں اپنی کمتری محسوس کی جارہی ہے۔ حالانکہ جہالت کیوجہ سے، علم دوری کیوجہ سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور اپنی ضد پر قائم رہنا ضروری سمجھے ہوئے ہیں۔ چوری اور سرزوری، الٹا چور کوتوال کو ڈاٹے، اِن لوگوں کی عادت بن گئی ہے۔ غلطی پر اعتراف کر لینا انسانیت کی بلندی ہے۔ اُونچی انسانیت کا دوسرا نام ہی ایمان ہے، اسلام ہے۔

ایک مثال: اخباری اطلاع اور ٹی۔ وی نشریات کے مطابق تنزانیہ (Tanzania) کا ایک کم عمر بچہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ اس بات کو ایک صاحب اپنی مطلب براری کیلئے مسجد کے اِحاط میں لوگوں کے درمیان اسطرح گویا ہوئے "تنزانیہ کا ایک کم عمر بچہ فاتحہ پڑھ رہا ہے"۔ گویا مروجہ فاتحہ (جو بدعت ہے) اسکے عین سنت ہونیکی تصدیق کرامتی طور پر بچہ کر رہا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ موصوف کا دماغ، اسلامی تعلیمات سے جو کہ قرآن و حدیث اور فقہ پر مشتمل ہے اس سے خالی ہے دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی صداقت کیلئے اور اِسکی تعلیمات کی حقانیت کیلئے اب کسی کرشمے، کسی کرامت کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر چکی، عالمگیریت سمٹ چکی، پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا عام ہو چکا، چنانچہ انٹرنیٹ کے ذریعہ یہ بتلایا جارہا ہے کہ تنزانیہ کا وہ بچہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے نہ کہ مُروَّجہ فاتحہ کی۔

حدیث: ایک حدیث کا مفہوم اسطرح آتا ہے کہ جو شخص بات کو توڑ موڑ کر پیش کرے وہ بھی جھوٹوں میں شامل ہے۔

کرشمہ پرستی اور کرامات سے تسکین وہی حاصل کرتا ہے جو دینی علم سے دور رہتا ہے۔ قرآن میں تقریباً ایک ہزار آیات ایسی ہیں جن کا تعلق سائنسی علوم سے ہے اور وہ سب کے سب تعجب خیز اور عقلوں کو حیرت میں ڈالنے والی ہیں۔ ان پر غور کرنے کا حکم عقلمندوں کو دیا گیا ہے۔ چنانچہ سائنسی علوم، قرآنی حقائق کو مشاہداتی سطح پر ثابت کر رہے ہیں۔

آج تنزانیہ میں ایک کرشمہ ہوا اور کل بلغاریہ (Bulgaria) میں ایک کم عمر دین کے بارے میں کچھ بولے گا تو دین اسلام کو کیا تنزونیت سے بلغاریہ کی طرف پھیر دینگے ؟۔ دین اپنی جگہ مُدوّن اور مسلم ہے اور محفوظ ہے۔ تنزانیہ ہو یا بلغاریہ ہو دین کرشموں کا محتاج نہیں ہے۔ جسطرح عَالَم فطرت کے اُصول اَبدی ہیں اُسی طرح اسلام کے اصول اَبدی ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے جو چیز غیر مستند، موضوع اور ضعیف ثابت ہو چکی ہے تو وہ قیامت تک اُسی درجہ میں ہو گی۔ بدعت سنت نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کی موجودہ اعتقادی کیفیت کی بنیاد صحیح علم دین سے دوری ایسی ہو گئی ہے کہ سوتے کو جگانا آسان ہے لیکن جاگتے کو جگانا مشکل ہے کیونکہ جاگنے والا اپنے کو بیدار سمجھ رہا ہے مگر حقیقت میں وہ گہری نیند میں ہے۔ عُقَلاء نے اپنی عقل کے بَھرّے پر اور کم علموں نے اہل علم ہونیکی خوش فہمی میں دین حق کو تختہ مشق بنادیا ہے۔

عآمر مِثل نشہ بادہ، گمراہی بھی ایک نشہ ہے
جن کو اپنا ہوش نہیں ہے کیسے انھیں کوئی سمجھائے ؟

کمینگی، بدکرداری کی بدترین قسم ہے، ہر آدمی کی حقیقت خدا کے علم میں ہے مگر اللہ تعالیٰ اسقدر رحیم و کریم ہے کہ بندوں کے عُیوب کی اِس دنیا میں ستّاری فرماتا ہے لیکن کمینہ بے انصافی کر کے انصاف کی کرسی اور اقتدار حاصل کر لیتا ہے اُسکی خِلوتیں اللہ کی یاد سے خالی اور اُسکی جلوہ گاہوں (یعنی اجتماعی مقامات) میں وہ دین کا جھنڈا اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے وہ تاریک الصلوۃ ہوتے ہوئے بھی صف اول میں جگہ پاتا ہے وہ مسجدی اُمور میں اسلئے حصّہ لیتا ہے تا کہ خود مسلکی دین کو چلا سکے۔

مصلیان مسجد ، کمینہ کی برائی سے بچنے کیلئے رسماً اُسکی عزت کرتے ہیں اور کچھ لوگ خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ کسی لمحہ بھی ہماری دکھتی رگ پر وہ ہاتھ نہ رکھ دے۔

قریبی دوست میرا رہ چکا ہے
میری کمزوریاں سب جانتا ہے

کمینہ ڈرنے والوں کو اور ڈراتا ہے اور مصلیوں کی مصلحت پرستی یا موقع پرستی سمجھے کہ وہ اِس بات کے قائل ہیں کہ جس ہاتھ کو موڑا نہیں جا سکتا اس ہاتھ کا بوسہ لے لیں، اور زبان پر یہ رہے۔

آپ سے کیا گلہ کریں آپ بڑے ہیں محترم
میرے خلاف لوگوں میں زہر بھرا ہے آپ نے

آپ کے بعض دوست بھی آپ سے دور دور ہیں
کبر و آنا کا جال کچھ ایسا بنُا ہے آپ نے

طاقتوں کے سامنے بلّی بن جانا اور کمزور کے سامنے شیر بنکر رہنا اور جن سے اپنی قسمت وابستہ ہو اُن کی قدم بوسی میں رہنا یہی وہ کردار فاسد ہیں جن کا نام کمینگی ہے۔ کمینہ کے اندر اسقدر بھی غیرت نہیں ہوتی کہ جس غلطی میں وہ خود مبتلا ہے اُسی غلطی کے معاملے میں دوسروں پر کیوں تنقید کرے؟

اعلیٰ ظرف انسان کسی سے نظریاتی اختلاف رکھ سکتا ہے لیکن وہ کمینہ نہیں ہوتا۔ اعلی انسان ہوشیار ہو سکتا ہے لیکن مکار نہیں ہو سکتا۔ شک کرنے والا ہو سکتا ہے لیکن جھوٹا الزام لگانے والا نہیں ہو سکتا۔ گدھے پر اگر سونے کا جھول ڈالا جائے تو گدھا گھوڑا نہیں ہو جاتا گدھا گدھا ہی رہتا ہے اُسی طرح کمینہ اگر خوش لباسی کو اختیار کرتا ہے تو مہذّب اور مؤدّب اور محترم نہیں ہو جاتا۔ لباس شریف ہونے سے آدمی کا شریف ہونا ضروری نہیں ہے۔ اچھا لباس ایک درزی کے فن کا مظاہرہ ہے۔

فائدہ ہی کیا ہو گا ہم سری جتانے سے
قد نہیں بڑھا کرتے ایڑیاں اُٹھانے سے

دنیا میں سب سے بڑا جُرم حق کا انکار ہے اور لوگوں کی دل آزاری ہے۔ یہ دونوں صفات کمینہ میں ہوتی ہیں۔ اِسکا سینہ خود پسندی سے بھَرپُور ہوتا ہے اور ہمیشہ خود بینی میں گم رہتا ہے۔ کمینہ دوسروں کی غلطیوں سے باخبر اور اپنی غلطیوں سے بے خبر رہتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا اپنے اوپر دیکھنا اور اپنے قصوروں اور گناہوں پر نظر کرنا حیا ہے۔ کمینہ میں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ وہ بے حیا ہوتا ہے۔ صحیح بات کو رد کرنا، اپنی بات کو صحیح سمجھنا۔ لوگوں کو حقیر جاننا اِسی کا نام غرور ہے اور کمینہ اِس سے متصف رہتا ہے۔

کمینہ منفی جذبات پر قابو نہیں رکھتا اُس کا عمل ذاتی نفرت کی بناء پر ہوتا ہے۔ مگر وہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ محبت انسانی یا اِطاعت خداوندی کیلئے متحرک ہے۔ کمینہ کہتا کچھ

ہے اور کرتا کچھ ہے۔ وہ باہر سے ایک قسم کا انسان ہوتا ہے اور اندر سے دوسری قسم کا انسان۔ اُسکی فکر ایک رد عمل کی صورت ہوتی ہے۔ رد عمل کی نفسیات کے تحت ہر کام اخلاص سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ جذبہ نہ تو قومی محرک کے تحت پیدا ہوتا ہے نہ خدائی محرک کے تحت۔ اسلام مثبت حقائق کا دین ہے وہ رد عمل کے تحت بھڑک اُٹھنے کا دین نہیں ہے۔

کمینہ حق کے نام سے کچھ شخصیتوں کو جانتا ہے نہ کہ خود حق و صداقت کو جانتا ہے عوام اور بے شعور طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خود صداقت کو جانتا ہے۔ اِس طرح کمینہ اپنی بزرگی اور بڑائی کے فرضی احساس میں جیتا ہے۔ عوام کو دھوکہ میں رکھ کر اپنا مقام بناتا ہے۔ یہی کمینوں کی شاہی اور شریفوں کی تباہی ہے۔

کمینہ شخص معاشرے کے حق میں ناسُور ہے۔ افراد سے اجتماعیت ہے۔ اور ہر فرد کا ایک مخصوص کردار ہوتا ہے۔ اگر یہ کردار قائم رہا تو اجتماعیت نہ صرف قائم رہتی ہے بلکہ مضبوط ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنا مخصوص کردار ادا کرنا ضروری ہے کہ جہاں وعدہ کیا تو پورا کرے اور جہاں شرافت دکھانا ہے تو وہاں شرافت دکھائے اگر شرافت کی جگہ کمینہ پن دکھائے تو انسان اپنا انفرادی حصّہ جو اجتماعیت کے اعتبار سے ہے اُسکو پورا نہیں کر سکتا۔ اس سے اجتماعی نظام کھو کھلا ہو جاتا ہے۔ انسان جب غیر انسانی کردار کو اختیار کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے لوہا موم کی صفت اختیار کر لیا، اب اُس کا استعمال عمارت کی تعمیر میں نہیں ہوگا۔ چنانچہ اچھے معاشرے کیلئے پختہ کردار لوگوں کی ضرورت ہے۔ اسلامی معاشرے کے حق میں کمینہ کا وجود ایک ناسور ہے کمینہ سے اچھے اخلاق کی اُمید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے ایک زہریلے سانپ سے نہ ڈسنے کی اُمید رکھنا۔ کمینہ ہمیشہ خوش حال رہتا ہے کیونکہ وہ

بے اُصولی زندگی کو اپناتا ہے وہ مصائب سے بہت دور رہتا ہے کیونکہ مصائب بااصول زندگی کی قیمت ہے۔ مسلمان کی پہچان سب سے پہلے اخلاقی اعتبار سے ہوتی ہے پھر بعد میں تہذیبی اعتبار سے ہوتی ہے۔

سنجیدگی ایک اخلاقی صفت کا نام ہے۔ سنجیدگی اور کمینگی میں بہت فرق ہو تاہے۔ سنجیدہ انسان ، ذمّہ دار ، محتاط، حقیقت کا اعتراف کرنے والا ، صادق ، بولنے سے پہلے سوچنے والا ، وعدہ وفا کرنے والا ، دلیل کے آگے سر تسلیم کرنے والا ہوتا ہے۔ کمینہ ، سنجیدہ آدمی کی ضد ہوتا ہے۔ سنجیدہ آدمی اپنے مزاج کو اخلاق کے تابع کرتا ہے ،اِسکے بر عکس کمینہ آدمی اخلاق کو اپنے مزاج کے تابع کرتا ہے۔ کمینہ آدمی اپنے اخلاق کو مفاد کے خاطر استعمال کرتا ہے سنجیدہ آدمی خود پسند نہیں ہوتا۔ کمینہ آدمی خود پسند ہوتا ہے۔ مُہذَّب آدمی طبیعت پر چلنے والا نہیں ہوتا۔ کمینہ دوسروں کا بُرا چاہتا ہے۔ کوئی شخص بھی اسقدر طاقتور نہیں ہے کہ وہ اپنا بُرا کیئے بغیر دوسروں کا بُرا کر سکے۔ ہر بُرائی سب سے پہلے اپنے لئے بُرائی ہوتی ہے اسکے بعد ہی وہ دوسرے کیلیئے برائی بن سکتی ہے۔ جیسے کسی کی ترقی کو روکنا یا کسی کو نقصان پہنچانا ہو تو سب سے پہلے وہ اپنے اندر حسد کو پیدا کرنا پڑتا ہے اسکے بعد دوسروں کے خلاف کوئی سازش کر سکتا ہے۔ اس دنیا میں بڑی بُرائی دوسروں کا بُرا چاہنا ہے۔ کیونکہ آپ خواہ دوسروں کا بُرا کر سکیں یا نہ کر سکیں اپنا بُرا تو یقیناً کر لیتے ہیں۔ کیونکہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے آپکو دوسروں کے خلاف سوچنا، تدبیریں کرنا ، کوششوں کو منفی رُخ پر دوڑانا ، مسلسل وقت لگانا پڑتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اپنی تباہی کے سامان ہیں۔ اسطرح دوسروں کی بدخواہی کی خاطر اپنی ذات کا

بدخواہ ہونا پڑتا ہے۔ کمینہ ،اصول کی زبان میں بولنے کے بجائے مصلحت کی زبان میں بولتا ہے۔

جھوٹ اور خیانت : کِذب اور خیانت بُرائی کی وہ قسم ہے جو کمینہ پن کی بناء پر آدمی سے صادر ہوتی ہے۔اِس کا ارتکاب وہ شخص کرتا ہے جسکی رُوح گندی ہو گئی ہو۔ شر پسندی کی مستقل خصلت کی بناء پر آدمی اس کا ارتکاب کرتا ہے۔اسکے باوجود ایسا شخص مطمئن رہتا ہے اِسکی وجہ یہ ہے کہ اس کی روح بِگڑ چکی ہوتی ہے۔ بحیثیت انسان ، وقتی مَغلوبیت کے تحت جو بُرائی صادر ہوتی ہے اُمید ہے کہ اللہ اُس کو معاف کر دے لیکن روحانی گندگی کے سبب جو بُرائی ہوتی ہے اُسکی معافی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شریف آدمی ، خدا کے باغ کا پھول ہوتا ہے اور کمینہ آدمی خدا کے باغ کا کانٹا، جس سے تلخی اور اَذِیّت ہی ہوتی ہے۔ خیانت اور دورُخہ پن، چغلخوری سے نہایت بُرائی ہے۔

خدا کی دنیا میں ایک چیز ایسی ہے جو چڑیا کے پر اور پھول کی پنکھڑی سے بھی زیادہ نازک ہے۔ یہ انسان کا دل ہے۔ ہماری معلوم دنیا میں انسان کے دل سے زیادہ نرم و نازک کوئی چیز نہیں ہے ایسی حالت میں جو شخص کسی انسان کے دل کو دکھاتا ہے وہ خدا کی دنیا میں سب سے بڑا مجرم ہے جو ایک نازک دل کو اپنے کمینہ پن سے مسلتا ہے، ایک انسان کے سکون پر ڈاکہ ڈالتا ہے یہ دراصل ایک انسان کے آشیانے کو اُجاڑنے کے منصوبے بناتا ہے۔

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

حدیث - خدا کے نزدیک روز قیامت بدترین مقام اُس شخص کا ہو گا جسکی بد زبانی سے ڈر کر لوگ اُس سے ملنا جُلنا چھوڑ دیں۔ (بخاری و مسلم)

معاشرہ کی بنیاد اتحاد اور حسن ظن پر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس کائنات کا خالق ہے چنانچہ کچھ لوگوں کو بے زور اور بے حیثیت بنا کر باحیثیت اور مقتدر لوگوں کے درمیان رکھا ہے۔ کچھ افراد کو کمزور اور ڈرپوک بنا کر کسی زور آور کی ماتحتی میں دیتا ہے، یہ سب انسانی امتحان کے مختلف پرچے ہیں اور اللہ کی طرف سے ہیں اِن پرچوں میں موت سے قبل کامیاب ہونا ضروری ہے۔ کمینہ شخص کمزور اور ڈرپوک لوگوں سے اپنا مطلب نکالتا ہے اور ناجائز طریقہ پر اُن سے فائدہ اٹھاتا ہے ایسے لوگ کمینہ کیلئے ایک بڑا سرمایہ ہیں۔ خُصومت، پھکڑ پن، کینہ ،اِعتراض، بات کاٹنا یہ سب کمینے کی خصوصیات ہیں۔

پُھکڑ پن کیا ہے ؟ حیاء اور پردہ کی بات کو علی الاعلان سب کے سامنے ظاہر کرنا اِس طریقہ سے رسوا کرنا کمینے کی خصوصیات ہیں۔ اِس کا مشغلہ اس کا کھیل ہے۔ رُسوا کرنا کمینگی ہے اور اصلاح کرنا شرافت ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم یوں آتا ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو ریزی سب سے بڑا سود ہے آدمی کے اندر بیک وقت دو قسم کی صلاحیت ہیں کہ اسکے اندر اعتراف کا مادہ بھی ہے اسکے ساتھ بے اعترافی کی خواہش بھی ہے۔ اسکے اندر شکر کا جذبہ بھی ہے اور نعمت کو جھٹلانا کا جذبہ بھی، اسکے اندر تواضع کا مزاج بھی ہے اور گھمنڈ کا مزاج بھی، اسکے اندر امانت داری کا جذبہ بھی ہے اور حق تلفی کا جذبہ بھی، دوسروں کی ترقی پر خوش ہونے کا جذبہ بھی ہے اور حسد کا جذبہ بھی ہے، اس دنیا کے اندر کامیابی اور جیت اُسی کی ہے جو اپنے اندر کی بُری

خواہشات کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرے اور وہ ناکام ہے جو بُری خواہشات سے مغلوب ہو گیا ہو۔

خالق کائنات نے کائنات کو اختلافات سے سجا کر ہمکو حکم دیا کہ تم اختلافات کے درمیان رہتے ہوئے آپسی اتحاد کو قائم رکھو نہ کہ اختلاف کو ختم کر کے اتحاد کو قائم کرو کیونکہ اختلاف کو ختم کر کے اتحاد قائم کرنیکی شرط غیر فطری اور غیر شرعی ہے۔ صحت مند اختلاف سراپا خیر ہے اور تہمت لگانا سراپا شر، تعمیری تنقید قابل سِتایِش (تعریف) لیکن تنقید برائے عَیب جُوئی اور برائے دل آزاری، کمینگی ہے۔ کسی کی کردار کُشی کمینہ کا محبوب مشغلہ ہے۔ غلط فہمی کی تحقیق سے قبل چرچا کرنا کمینگی ہے اور سخت گناہ ہے۔ خدا سے نڈر ہو جانے کا نتیجہ کمینگی ہے اور خدا سے ڈر کا دوسرا نام ہی ایمان ہے۔ اسطرح کمینہ میں ایمان مَفقُود (گم ہونا) ہوتا ہے۔

حدیث: جس نے اپنے مسلمان بھائی کی اِس دنیا میں پردہ پوشی کی، اللہ پاک قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

تو علیم ہے، تو خبیر ہے، میری تجھ سے ہے یہی التجا
میری لغزشیں، میری خامیاں یہ نہ آئیں میرے حساب میں

تاریخ کا سب سے اہم سبق جس سے مسلمان سبق نہیں لیا وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو نقصان مسلمانوں ہی سے ہوا ہے۔ اگر علم، بغیر عمل وبال ہے تو عمل، بغیر علم گمراہی ہے۔ مسلمان کو عمل کا مشغلہ اسقدر ہونی چاہیے کہ اختلاف کے مشغلوں کے لئے وقت ہی نہ رہے۔ جس طرح زہر، انسان کو موت تک پہنچاتا ہے اُسی

طرح گناہ، انسان کی روح کا قاتل ہے۔اِسی لئے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جانا بہتر ہے کسی گناہ میں مبتلا ہو جانے سے۔

انسان کی یہ بھی ایک نفسیاتی کمزوری ہے کہ اُسکو اپنا وجود اپنی حقیقت سے زیادہ نظر آتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے نفس کو محبوب رکھتا ہے اور اُسکو دوسروں کا وجود اُسکی حقیقت سے کم نظر آتا ہے کیونکہ انسان کو دوسرے انسان سے محبت اپنے نفس کی محبت سے کم ہوتی ہے۔اِسی وجہ سے ہر شخص کو اپنے حُسن خیال پر حُسن عمل کا گمان ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں مِلّت اسلامیہ میں اختلافات کی یہی وجوہات ہیں کہ ہم میں خود فریبیاں ، خوش خیالیاں اور خود فراموشیاں اسقدار ہو گئی ہیں کہ ہم خود پرست اور خود پسند ہو گئے۔

سُوءِ ظَن سے حُسن ظَن تک :- اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کے اندر خوش گمانی کی فضاء ہو کہ لوگ کسی کے بارے میں سنی سنائی بات کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کریں۔وہ اپنے ذہن کو دوسرے لوگوں کے بارے میں اچھے گمان سے آباد رکھے لیکن مشکل کام ہے اس اعتبار سے کہ خوش گمانی یا حسن ظن میں کسی کی بڑائی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو انسان کے نفس پر بوجھ ہو جاتا ہے اِسی وجہ سے انسانی نفس کی انا کسی کی بڑائی، کسی کی خوبی، کسی کی تعریف کو سننا پسند نہیں کرتی کیونکہ اس میں وہ اپنی کمتری کو محسوس کرتی ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے۔اِسی طرح ہر انسان کے اندر نفس کے تقاضے اور شرعی تقاضے میں کشمکش چلتی رہتی ہے کہ نفس کہتا ہے کہ سوء ظن رکھ اور شرعی تقاضہ ہے کہ حسن ظن رکھ۔

تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں

الجھ رہا ہے میرے فیصلوں کا ریشم پھر

مجھ سے کہا گیا کہ میں اُسکو بڑا کہوں

کانٹوں پہ ننگے پاؤں چلایا گیا مجھے

اِسکے برعکس نفس انسانی کسی کی بُرائی کو لپک کر قبول کرلیتا ہے لیکن اِس سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ بغیر تحقیق کسی کے بارے میں سوئے ظن رکھے۔ سوءِ ظن کو لپک کر سننے کی وجہ یہ ہے کہ اِس میں خود کی نفس کی بَرتری قائم رہتی ہے یعنی اپنا احساس برتری والا جذبہ مجروح نہیں ہوتا اور جذبہ تکبر سے بھی اسکو تقویت ملتی ہے۔ چنانچہ ان روحانی بیماریوں سے دور رہنے کی خاطر شرع انسان کو پابند کرتی ہے کہ وہ دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھے کہ حسن ظن کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

حدیث : (إِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ) ترجمہ با محاورہ۔ اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

آداب معاشرت کے سلسلے میں قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نیک آدمی کے متعلق بلا کسی دلیل قوی کے بدگمانی کرنا حرام ہے۔ معاشرہ کے اندر خوشگوار ماحول باقی رکھنا ہے تو گمان سے بچو کہ اسطرح ابتداء ہی میں فتنہ کو کچل دینے کے مترادف ہے۔

حدیث : اللہ کی نعمتوں کے دشمن ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کون ؟آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی خدا کی نعمت لوگوں پر دیکھ کر حسد کرے۔ چنانچہ ابلیس کی خطا کا

سبب حسد، قابیل کی خطا کا سبب حسد، فرزندان یعقوب کی خطا کا سبب حسد تھا۔ کمینہ انسان کیلئے سوءِ ظن غذا کے طور پر ہے کہ وہ کسی کے بارے میں رائی کو پہاڑ بنا دیتا ہے۔

سوءِ ظن کیوں پیدا ہوتا ہے ؟ انسان ایک بے حد پیچیدہ مخلوق ہے۔ اسکی زندگی کے لاتعداد پہلو ہیں، اُسکی سوچ، اُسکی عقل، اِس کا عِلم ، اِس کا انداز نظر، انداز فکر ایسے کئ پہلو ہیں اور حقائق کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ کسی مسئلہ کے تمام اَطراف و جَوانِبُ کا احاطہ مشکل ہے۔اِن سب کے مقابل ایک آدمی کا معلومات کا دائرہ بہت ہی محدود ہوتا ہے اسلئے ہر وقت یہ امکان لگا رہتا ہے کہ اِسکی رائے جو اِس نے دوسروں کے بارے میں قائم کی ہے اس میں بہت محتاط رہنا چاہیے چنانچہ ظاہری اور سطحی صورت سے بھی دھوکہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سطح کے نُقُوش زیادہ نمایاں اور خوش رنگ ہوتے ہیں اور سطح بین انھیں چیزوں پر لوٹ پوٹ ہوتا ہے، یہ بھی انسانی علم کی ایک محدودیت ہے کہ اس کو ظاہر میں کسی کا عیب نظر نہیں آتا اور وہ دوسری طرف کسی کے باطن کا غیب دان نہیں ہوتا اور آنیوالے لمحات کے بطن میں کیا ہے وہ اس کا جاننے والا نہیں ہوتا۔

اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت علم ہے اور عُلوم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ بہت طویل زمانۂ حیات اُن میں سے ہر ایک کے حصول کیلئے چاہیے، چنانچہ چہرے بشاش ، شائستہَ مزِاج (اچھے سلوک والا) اور پیشانیاں شگفتہ ہوتی ہیں یہ علامات بھی ایک ناظر کیلئے صحیح رائے قائم کرنے میں رہزن ثابت ہوتی ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل رنجور ہوتا ہے

مگر انسان ہنسنے کے لیے مجبور ہوتا ہے

ادا سمجھوں، حیا سمجھوں کہ اظہار وفا سمجھوں
تمہاری مسکراہٹ مجھ سے پہچانی نہیں جاتی

حسن ظن رکھنا کیوں ضروری ہے ؟ قیافہ شَناس (جو تشی physiognomist) عُلوم ہوتے ہوئے بھی اُن سے حاصل شدہ نتائج بھی اٹکل پچو (اندھادھند) پر ہی مشتمل ہوتے ہیں نہ کہ یقین پر، اسطرح زمانہ شناس شخص بھی اسقدر پُر اعتماد نہیں ہوتا کہ وہ جس بات کو بھی پیش کر رہا ہو وہ بالکل یقینی ہو اسکے کئ وجوہات ہو تے ہیں کچھ تو اوپر مذکور ہوئے۔اِسی طرح ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ، انسان میں موجودہ صفات لفظی فروق کو نہیں جانتے جیسے خودداری اور اُصول میں کیا فرق ہے، اُصول اور رسم میں کیا فرق ہے، سادگی اور غریبی میں، حق گوئی اور تلخ مزاجی میں، تہذیبِ مذہب اور تہذیب انسانی میں، بھولے پن اور بے وقوفی میں، معصومیت اور جہالت میں، دلیل اور شخصیت میں، توکل علی اللہ اسباب کے ساتھ اور توکل علی اللہ بدون اسباب، حقیقی مذہبیت اور جوابی مذہبیت میں، صاف گوئی اور بے ادبی میں، عیب جوئی اور اصلاح میں، ہوشیاری اور مکّاری میں، تنقید اور تنقیص میں، صبر اور بزدلی میں، عمل بغیر علم اور عمل مع علم، دفاع اور جارحیت (حملہ آوری) میں، شفقّت اور لاڈ میں، بدعت اور نیکی میں، ترغیب اور اِشتِعال (آگ یا شعلہ بھڑکانے) میں، خودداری اور تکبر میں، خالق میں اور رسول میں، دُعا اور عملیات میں، خوش الحانی اور فہم قرآنی میں، خوش لباسی اور خوش اخلاقی میں، بزرگی اور امیری میں، وغیرہ وغیرہ جس کی وجہ سے سوءِ ظن قائم ہو جاتا ہے حضرت علیؓ

کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ لوگ ناواقفیت کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ انسان جب ایک دوسرے سے دور رہتا ہے تو آپس میں بد گمانی اور غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی سوء ظن قائم کر لینے کی ایک سبب ہے۔ مسئلہ کے تمام متعلقات کا علم اور اُسکو گہرے اور وسیع مطالعہ کے ذریعے معلوم کونے کی فرصت لوگوں کو نہیں ہوتی اسپر اگر یہ لوگ جُزوی معلومات پر اعتماد کر کے اظہار رائے کی جُرات کرتے ہیں تو رائے غلط ہو جاتی ہے اور اگر بات دل ہی میں رکھ لئے تو سوء ظن کا راستہ کھل جاتا ہے۔ وقتی ملاقات ہو یا پہلی ملاقات ہو اسکے فی الفور بعد رائے قائم کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ ناقص تحقیق اور نا مکمل تحقیق سے بھی سوء ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ کسی کی وضع قطع سے بھی رائے قائم کرنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ بہر حال ان سارے وجوہات کی بناء پر انسانی بستی، اشرف المخلوقات کی بستی، غلط فہمیوں کے جنگل سے بھری ہوئی بستی ہے۔ آدمی ایک دوسرے سے مُتَنَفّر، ایک دوسرے سے نالاں ایک دوسرے سے دامن کَش، ایک دوسرے سے خوفزدہ، ایک دوسرے سے بیزار اور ایک دوسرے سے اعراض پسند، ایک دوسرے کی موت کا منتظر۔

جنگل میں سانپ، شہروں سے بستے ہیں آدمی
سانپوں سے بچکے آئے تو ڈستے ہیں آدمی

سانپ بچھو بھی شان کے نکلے
بن سنور کر مکان سے نکلے

ایسے جنگل کے مقابل ایک وہ جنگل ہے جہاں حشرات الارض، درند، پرند، چرند و غیرہ ہیں وہاں آپس میں کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہے۔ کل روز قیامت ان سے ان کے اعمال کی بازپُرس بھی نہیں ہے۔ مگر اشرف المخلوقات سے بازپرس ہے اور اُسکو اپنے آخرت کی فکر کرنا ضروری ہے۔
اگر کوئی شخص چاہے کہ اِن غلط فہمیوں میں سے کس طرح بچ کر نکلے تو اسکے لئے ایک ہی حل ہے کہ وہ دوسرے انسان کے بارے میں خوش گمان رہے اور خوش گمانی اور حسن ظن میں ہی اپنی زندگی کو ختم کر دے۔

حدیث: ظَنَّ الْمُؤْمِنِينَ خَيْراً (مؤمنین کے بارے میں نیک گمان رکھو)

حُسن ظن اور اتّحاد: بہر حال ایک انسان اور دوسرے انسان میں مختلف اعتبارات سے اسقدر زیادہ فرق ہوتا ہے کہ اِن کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک لازمی

امر ہے ایک طرف ایک مسئلہ ہے اور دوسری طرف اُسی خالق اضداد کا حکم ہے کہ ایک شخص دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھے۔ اور اِسی کی بنیاد پر اتحاد کو قائم رکھے۔ خالق کا اِس دنیا کو اختلافات سے سجانا ایک انتہائی مصلحت کے تحت ہے۔ مذکورہ درپیش صورتحال میں متصادم (ایک دوسرے سے ٹکرانے والا) تقاضوں کے جنگل کے درمیان مصالحت کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ علمی روشنی میں مسئلہ کا حل یہی رہ جاتا ہے کہ ہر آدمی اختلاف کے باوجود متحد ہونے پر راضی ہو جائے اور شعوری طور پر یہ طے کرلے کہ وہ اختلافات کو صرف ذہنی اختلاف کے درجہ میں ذہن ہی میں رکھے اور اس کو عملی صورت نہ دے۔ نیک دل انسان

وہ ہے جو برائی کو برداشت نہ کرے لیکن بُرے کو ہر وقت گلے لگانے تیار رہے۔ کیونکہ برائی کے خلاف اٹھنا سنت ہے اور برے کے خلاف اٹھنا شیطانیت ہے۔ لیکن یہ کام بھی مشکل ہے۔ اختلافات کا وجود فطری ہے انکو ختم کرنا ایک غیر فطری اور ناممکن سی بات ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ اختلاف کے اثرات کو آدمی کے اخلاق اور برتاؤ پر نہ پڑنے دینا ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین، اتفاق اور اتحاد اور اختلاف کے حدود سے واقف تھے باوجود اختلاف کے خوف خدا کا غلبہ ایسا تھا کہ اختلاف، اختلاف محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ بعد میں ایسے لوگ آئے جو نہ تو اختلاف سے حدود سے واقف اور نہ اتحاد کی اہمیت سے واقف، نتیجہ سامنے ہے کہ اُمت مسلمہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔ سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ آدمی ذہن کے اعتبارے اور زبان کے اعتبار سے خاموش رہے کیونکہ خاموشی سے پیدا ہونے والی خرابی کی اصلاح آسان ہے۔ مگر لب کُشائی سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اُس کا ازالہ مشکل ہے۔ حسن ظن ایک ایسا عمل ہے جس میں آدمی کو خود اپنے لیے لڑنا پڑتا ہے کیونکہ نفس اُسکو اُسکی طرف آنے نہیں دیتا یہی وہ چیز ہے جس نے حسن ظن کو خدا کی نظر میں ایک عظیم عمل کا مقام دیا اور اس پر عمل پیرا ہونے سے مومن کامیاب ہو سکتا ہے۔

کب واپسی کا حکم ہو دھڑکا بھی لگ گیا
اب تو ہماری آنکھوں پہ چشمہ بھی لگ گیا

اب کمینہ شخص کا یہ حال ہے کہ اسکو دوسروں سے لڑنے سے فرصت نہیں ہوتی اور خود سے اپنے نفس سے لڑنے سے وہ واقف نہیں رہتا اسلئے سوء ظن کا قائم کرنا اُسکی زندگی کا ایک لازمی جُزبن جاتا ہے۔

دنیوی مصائب اور انسانی سوچ کی غلطی: ﴿فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[الأنعام: ۴۳] پس جب اُن پر ہمارا عذاب آتا رہا تو وہ کیوں عاجزی نہیں کرتے رہے مگر اُن کے دل ہی سخت ہو گئے تھے اور وہ جو کام کرتے تھے شیطان اُن کاموں کو انکی نظروں میں آراستہ کرکے دکھلاتا تھا۔ مذکورہ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کو خبر دار کیا جارہا ہے کہ منکرین حق پر اللہ تعالیٰ فوری عذاب سے پیش نہیں آتا بلکہ انکو ڈھیل دیتا ہے مگر مالی نقصان اور جسمانی تکالیف کے جھٹکے دیے جاتے ہیں تاکہ نافرمان اور حق کے منکرین غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ سوچنے کا انداز بدلیں اپنے اعمال کا احتساب کریں مگر انسان کی یہ بھی ایک نفسیاتی کمزوری یا علمی کمی سمجھئے کہ وہ اِن آفات سماوی کو زمانہ پر محمول (attributed) کرتا ہے ،زمانے کی گردش سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اس بات سے مطمئن کرلیتا ہے کہ انسانی زندگی میں نشیب وفراز آتے جاتے رہتے ہیں یہ حوادث زمانہ ہیں ان کا اپنے اعمال بد سے کیا تعلق ؟اس قسم کی سوچ شیطانی بہکاوے کا نتیجہ ہے۔اِسی سوچ کی وجہ سے انسان کی دلی حساسیت جو حق و باطل ، صحیح اور غلط کے بارے میں ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اور انسان دلی قَساوَت (بے حِسی) کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر انسان ان واقعات اور مشکلات اور مصائب کا سبب دیگر انسانوں کو یا حکومت کو یا کسی اور کو ٹھیراتا ہے اور اس بات پر یقین کرلیتا ہے کہ میں دراصل انسانی ظلم کا شکار ہو رہا ہوں پھر اسکی ساری سوچ اور رَدّ عمل کا سارا رُخ ایک انتقامی جذبہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے پھر مفروضہ اشخاص کے خلاف سوءِ ظن کی تعمیر اور انتقامی کاروائی کی تشکیل شروع ہو جاتی

ہے۔ اور یہ ساری توجیہات شیطان کی جانب سے ہوتی ہیں کہ مقصد الٰہی جو نافرمانوں کی اصلاح تھا وہ پورا نہیں ہونے پاتا کہ شیطانی وساوس، حکم الٰہی کے مطلب کو اپنے صحیح رخ سے غیر متعلق چہروں کی طرف موڑ دیتے ہیں اس طرح مؤمن اس امتحان میں ناکام ہو جائے ہے۔

مصائب کو گردش دوراں سمجھنا یا زمانے کا اُتار چڑھاؤ سمجھنا یا دیگر انسانوں کے انتقامی جذبات کا نتیجہ سمجھنا یہ ساری باتیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غلط ہیں مصائب اگرچہ بظاہر انسانوں کی طرف سے آتے نظر آتے ہیں لیکن یہ سب حقیقتاً من اللہ ہوتے ہیں اور مقصد، غافل کو جگانا، نافرمان کو اپنے اعمال کے احتساب کی طرف لانا ہوتا ہے نہ کہ انسانوں کی طرف سے دوسرے انسان پر ظلم ہے۔

ایک بزرگ راستے سے گزر رہے تھے ایک کمینہ پیچھے سے ایک گھونسہ رسید کیا پھر ان سے معافی چاہا تو آپ نے فرمایا معافی مت چاہو کیونکہ قصور تمہارا نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ من اللہ ہوتا ہے اور فاعل حقیقی وہی ہے۔

اس طرح انسان بھی اگر پیش آنے والے حالات کا خالق اللہ ہی کو جانے تو اِسکے نتیجے میں انسان غفلت سے بیدار ہوتا ہے۔ سوچ کا انداز بدلتا ہے، اعمال کی اصلاح کی امید رکھ سکتے ہیں تزکیہ نفس کی محنت کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں گڑگڑاتے ہوئے دعا اور استغفار اور رجوع الی اللہ ہونا لازمی بات ہے۔ اسکے برعکس اگر ان باتوں کا مُحرک اور فاعل دیگر انسانوں کو جانے تو انسان دیگر انسانوں کے خلاف سوچنے لگے، غلط فہمیوں میں اضافہ ہو، نفرت اور حقارت سے انتقامی جذبہ بھڑک کر گروپ بندی ہوتی ہے۔ اس صورتحال تک بات صرف اسلئے پہنچی کہ انسان کا

علم ناقص سوچ ٹیڑھی جس سے مقصد الہٰی اور منشاء الہٰی کو انسان نہیں سمجھ سکا۔۔۔

اللھم احفظنا منہ

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف و جملہ معاونین و اہل و عیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔ کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

مؤلف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی